10 اٹھارھویں صدی کا سیاسی منظرنامہ

اگر آپ نقشے 1 اور 2 کو غور سے دیکھیں تو آپ کو برصغیر میں اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف میں کچھ اہم واقعات رونما ہونے کا احساس ہوگا۔ دیکھیے مغلیہ سلطنت کی سرحدیں نئی آزاد سلطنتوں کے وجود میں آنے سے کس طرح نئی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ دیکھیے کہ 1765 تک ایک اور طاقت برطانیہ، نے مشرقی ہندوستان کے اہم حصوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ یہ نقشے ہمیں پورے ہندوستان میں

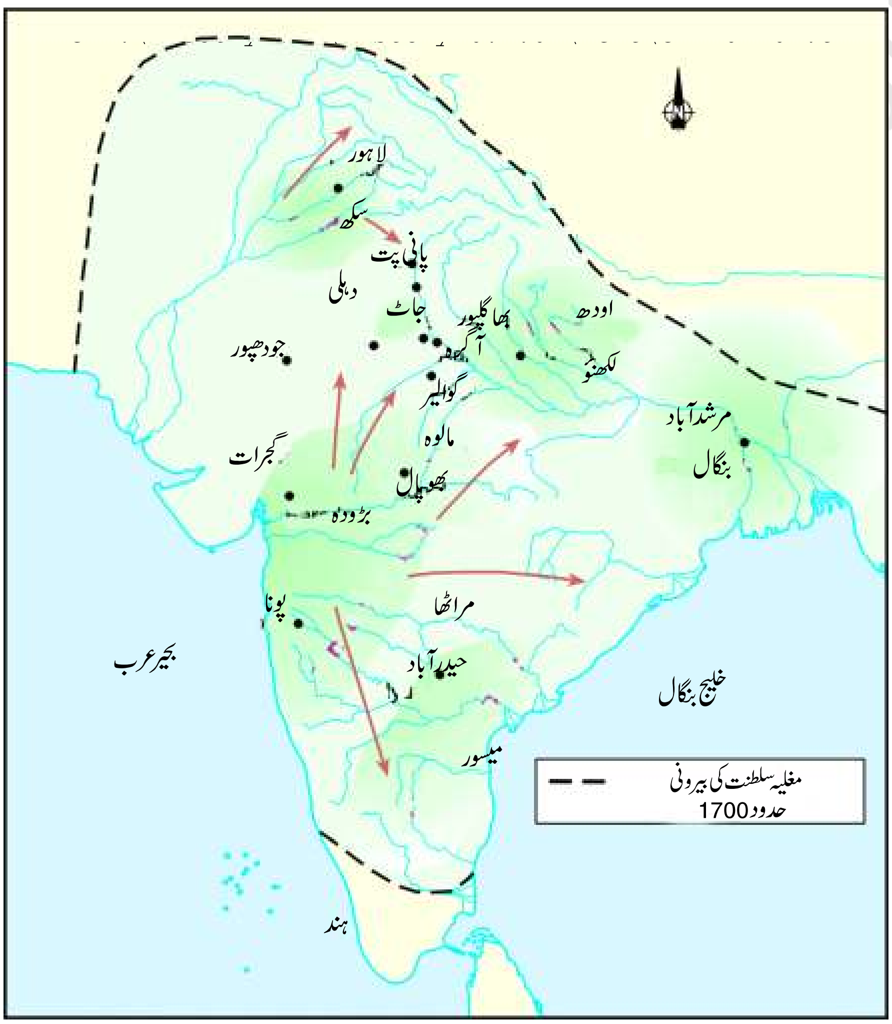

نقشہ 1
اٹھارھویں صدی میں ریاستوں کی تشکیل

بڑے ڈرامائی اندازاور مختصر سے عرصے میں آئی تبدیلیاں دکھاتے ہیں۔

اس باب میں ہم برصغیر میں اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف حصے 1707 سے جب اورنگ زیب کا انتقال ہوا، پانی پت کی تیسری جنگ 1761 کے دوران ابھرنے والے نئے سیاسی گروہوں اور طاقتوں کے بارے میں پڑھیں گے۔

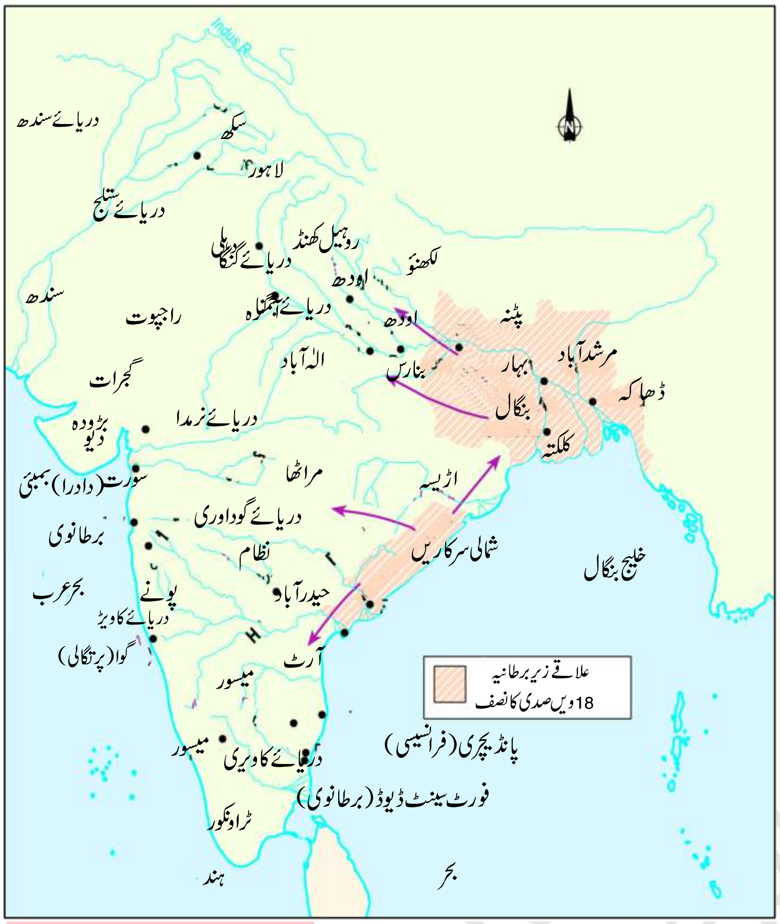

نقشہ 2
اٹھاھویں صدی کے وسط میں برطانوی علاقے

سلطنت کا بحران اور بعد کے مغل بادشاہ

باب 4 میں آپ نے دیکھا تھا کہ مغلیہ سلطنت اپنی فتوحات کے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی اور سترھویں صدی کے آخر تک پہنچتے پہنچتے مختلف قسم کے بحرانوں سے دوچار تھی۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ اورنگ زیب نے دکن کی طویل جنگ لڑنے کے دوران اپنی فوجی اور مالی طاقت میں خاصی کمی پیدا کر لی تھی۔

اس کے جانشینوں کے تحت شاہی انتظامیہ کی مستعدی اور کارکردگی میں کمیاں آئیں مغل شہنشاہوں کے لیے اپنے طاقت ور اور صاحب اقتدار منصب داروں کو قابو میں رکھنا روز بروز مشکل ہوتا گیا۔ جن امرا کو گورنر (صوبے دار) مقرر کیا جاتا تھا وہی اکثر محصول وصولی اور فوجی انتظامیہ (دیوانی اور فوج داری) محکموں پر بھی گرفت رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے انھیں مغلیہ سلطنت کے بڑے بڑے خطوں پر سیاسی، معاشی اور فوجی ہر لحاظ سے غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔ جیسے جیسے ان گورنروں نے صوبوں پر گرفت مضبوط اور مستحکم کی ویسے ویسے دارالحکومت کو مقررہ وقت پر ملنے والے محصول میں کمی آتی گئی۔

?

باب 4، جدول 1 دیکھیے، عوام کے کن گروہوں نے اورنگ زیب کے عہد حکومت میں سب سے طویل عرصے تک مخالفت کی؟

شمالی اور مغربی ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں کسانوں اور زمین داروں کی بغاوتوں نے

شمالی اور مغربی ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں کسانوں اور زمین داروں کی بغاوتوں نے بھی ان مسائل میں اضافہ کیا۔ یہ بغاوتیں عام طور پر محصولوں یا ٹیکسوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کے خلاف ہوئیں۔ کبھی کبھی بعض جگہ یہ مقامی سرداروں کی طرف سے بھی ہوئیں جن کا مقصد اپنی طاقت کو مستحکم کرنا ہوتا تھا۔ مغلیہ اقتدار و اختیار کو اس سے پہلے بھی چیلنج ملتے رہے تھے مگر اب یہ گروہ اپنی طاقت کو مستحکم کرنے کے لیے ان خطوں کے معاشی ذرائع پر گرفت حاصل کر لینے کی حیثیت میں تھے۔ اورنگ زیب کے بعد مغل بادشاہ سیاسی اور معاشی اقتدار کو رفتہ رفتہ اپنے صوبوں کے گورنروں، مقامی سرداروں اور دوسرے گروہوں کے ہاتھوں میں جانے سے نہ روک سکے۔

بھرپور فصلیں اور خزانے خالی

اسی دور کے ایک مصنف کا بیان سلطنت کے دیوالیے پن کے بارے میں اس طرح ہے:

بڑے بڑے مالک مجبور اور قلاش ہیں، ان کے کسان ہر سال دو فصلیں اگاتے ہیں، مگر ان کے مالک اس میں سے ایک دانہ بھی نہیں دیکھ پاتے اور ان کے کارندے حقیقت میں ان جگہوں پر کسانوں کے قیدی ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے کسان کو اس وقت تک دین دار کے گھر قید رکھا جاتا ہے جب تک وہ اس کا قرض نہ چکادے۔ قواعد و ضوابط کی شکست اور انتظامیہ کی تباہی اتنی مکمل ہوچکی ہے کہ(حالانکہ) کسان تو سونے کی فصل کاٹ لیتا ہے مگر اس کا مالک اس کا ایک تنکا بھی نہیں دیکھ پاتا۔ ایسے میں مالک وہ فوج کیسے بنائے رکھ سکتا جو اسے رکھنی چاہیے؟ وہ ان سپاہیوں کی ادائیگیاں کیسے کرسکتا ہے جنھیں اس کے باہر نکلنے سے پہلے آگے اور سواروں کو اس کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیے؟

اس معاشی اور سیاسی بحران کے دوران ایران کے حکمراں نادر شاہ نے 1739 میں دہلی کو لوٹا اور برباد کیا اور یہاں سے زبردست دولت اپنے ساتھ لے گیا۔ اس حملے کے بعد افغان حکمراں احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ لوٹ مار کے متعدد دورے ہوئے۔ اس نے شمالی ہندوستان پر 1748 سے 1761 تک پانچ بار حملہ کیا۔

نادر شاہ کا دہلی پر حملہ

شکل 1
نادر شاہ کی 1779 کی ایک تصویر

نادر شاہ کے حملے کے بعد دہلی کی تباہی کا حال اس دور کے مبصروں نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک لکھنے والے نے مغل خزانے سے لوٹی جانے والی دولت کو اس طرح بیان کیا ہے:

ساٹھ لاکھ روپیے اور کئی ہزار سونے کے سکے، سونے کا سامان یا برتن تقریباً ایک کروڑ روپیے کے برابر، تقریباً پچاس کروڑ روپیے کے بقدر جواہرات، جن میں سے بہت سوں کی دوسری مثال دنیا میں نہیں تھی اور مندرجہ بالا میں تختِ طاؤس بھی شامل تھا۔

دوسرے لکھنے والے نے دہلی پر اس کے حملے کے اثر کو اس طرح بیان کیا ہے:

(وہ) ...... جو مالک تھے بدترین مصیبت میں مبتلا تھے، اور جن کا احترام و اکرام ہوتا تھا اپنی پیاس بجھانے کے لیے (انہیں پانی تک نہیں) مل رہا تھا۔ تارک الدنیا یا گوشہ نشینوں کو ان کے گوشوں سے باہر کھینچ لیا گیا تھا، امیر فقیر ہو چکے تھے، وہ جو کبھی اپنے لباس سے دوسروں کے لیے انداز فراہم کرتے تھے اب ننگے گھومتے تھے، اور وہ جو ملکیتوں کے مالک تھے اب خود بے گھر تھے ...... نیا شہر (شاہجہاں آباد) کھنڈروں کا ڈھیر بنایا جاچکا تھا، پھر (نادرشاہ) نے شہر کے پرانے حصوں پر حملہ کیا اور وہاں آباد ایک پوری دنیا کو تباہ و برباد کرڈالا......

ہر طرف کے دباؤ میں پھنسی سلطنت امرا کے مختلف گروہوں کے آپسی مقابلے سے اور کمزور ہوئی۔ یہ دو بڑے گروہوں یا دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایرانی اور تورانی (ترکی نسل کے امرا)۔ بہت عرصے تک بعد کے مغل بادشاہ ان میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے دھڑے کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ سلطنت کی آخری تحقیر اور بے عزتی ان موقعوں پر ہوئی جب دو مغل

بادشاہوں فرخ سیر (1713-1719) اور عالم گیر ثانی (1754-1759) کو سازشوں میں قتل کیا گیا اور دوسرے دو، احمد شاہ (1748-1754) اور شاہ عالم ثانی (1759-1816) کو ان کے امرا نے اندھا کر دیا۔

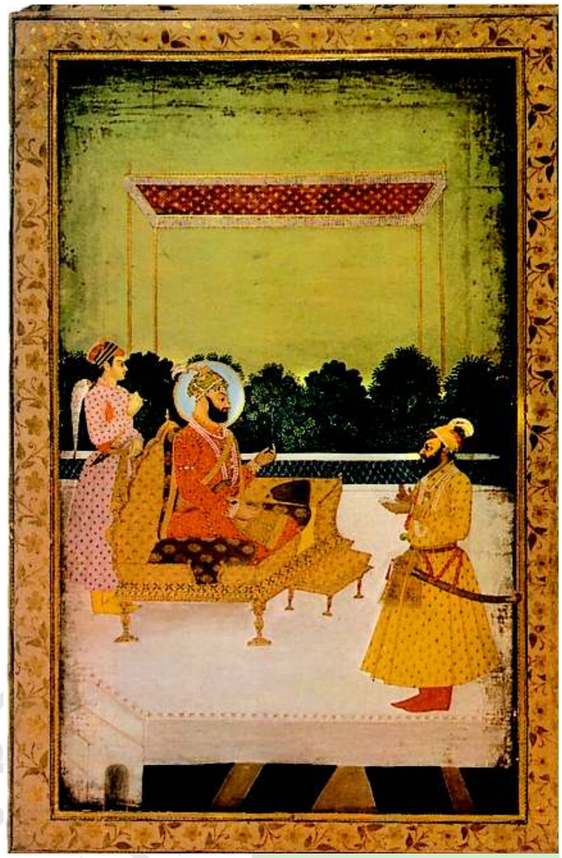

شکل 2
فرح سیر اپنے ایک امیر سے مل رہا ہے

نئی ریاستوں کا ظہور

مغل شہنشاہوں کے اقتدار و اختیار کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے صوبوں کے گورنروں (صوبے دار) اور زمینداروں، نے برصغیر کے مختلف خطوں میں اپنی حیثیت مضبوط کر لی۔ پوری اٹھارھویں صدی میں مغلیہ سلطنت آہستہ آہستہ ٹکڑوں میں بٹ کر بہت سی آزاد علاقائی ریاستوں میں تقسیم ہونے لگی۔موٹے طور پر اٹھارھویں صدی کی ریاستوں کو تین قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے ۔(1) وہ ریاستیں جو پرانے مغل صوبے تھے، جیسے اودھ، بنگال اور حیدر آباد۔ حالانکہ یہ بے حد طاقت ور اور بہت حد تک آزاد تھیں مگر ان ریاستوں کے حکمرانوں نے مغل بادشاہوں سے اپنے باقاعدہ رشتوں کو کبھی نہیں توڑا۔ (2) وہ ریاستیں جنھیں مغلوں کے ماتحت ہوتے ہوئے بھی خاصی آزادی پہلے سے ملی ہوئی تھی اور 'وطن جاگیریں' کہلاتی تھیں۔ ان میں کچھ راجپوت عملداری والی ریاستیں شامل بھی تھیں۔ (3) آخری زمرے کی ریاستیوں میں مراٹھا، سکھ اور کچھ دوسری جاٹ جیسی نسلوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ مختلف وسعتوں کی ریاستیں تھیں اور انھوں نے مغلوں سے طویل فوجی جنگوں کے بعد آزادی حاصل کی تھی۔

پرانے مغل صوبے

مغلیہ سلطنت کے پرانے صوبوں میں سے اٹھارھویں صدی میں جو ریاستیں نئی ابھریں ان میں تین سب سے ممتاز نظر آتی ہیں۔ یہ تھیں اودھ، بنگال اور حیدر آباد۔ یہ تینوں مغل امرا کی قائم کی ہوئی تھیں جو بڑے بڑے صوبوں کے گورنر تھے۔ سعادت خان (اودھ)، مرشد قلی خان (بنگال) اور آصف جاہ (حیدر آباد)۔ یہ تینوں اعلیٰ منصب داری حیثیتوں کے مالک تھے اور شہنشاہوں کا اعتماد

© NCERT not to be republished

انھیں پوری طرح حاصل تھا۔ آصف جاہ اور مرشد قلی خان دونوں میں سے ہر ایک 7,000 ذات کا عہدہ رکھتے تھے جب کہ سعادت خاں کا عہدہ 6,000 ذات کا تھا۔

حیدرآباد

نظام الملک آصف جاہ ریاست حیدرآباد کا بانی، مغل شہنشاہ فرخ سیر کے دربار کے مضبوط ترین رکنوں میں سے ایک تھا۔ اسے پہلے اودھ کی گورنری سونپی گئی اور پھر دکن اسے سونپا گیا۔ دکن کے صوبوں کے مغل گورنر کی حیثیت سے آصف جاہ کے پاس ان علاقوں کے سیاسی اور مالی انتظام اور حیثیت پہلے سے ہی موجود تھی۔ دکن کی افراتفری اور درباری امرا میں مقابلے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ساری طاقت اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس علاقے کا حقیقی حکمراں بن گیا۔

آصف جاہ شمالی ہندوستان سے اپنے ساتھ ترتیب یافتہ سپاہی اور انتظامیہ کے کارکن لے گیا جنھوں نے جنوب میں نئے مواقع کا خیرمقدم کیا۔ اس نے منصب دار مقرر کیے اور جاگیریں عطا کیں۔ حالانکہ وہ اب بھی مغل شہنشاہ کا خدمت گار تھا مگر اس نے پوری آزادی سے حکومت کی اور دہلی سے نہ کسی قسم کی ہدایات لیں اور نہ ادھر سے کوئی مداخلت ہوئی۔ مغل بادشاہ، نظام کے فیصلوں کی صرف تصدیق کرتا تھا۔

حیدرآباد کی ریاست ایک طرف مغرب کے مراٹھوں اور دوسری طرف سطح مرتفع کے تلگو آزاد جنگجو سرداروں (Nayatas) سے متواتر دست و گریباں رہتی۔ مشرق کورومنڈل ساحل پر کپڑے کی بہترین پیداوار کرنے والے علاقوں پر گرفت حاصل کر لینے کے سلسلے میں نظام کے حوصلوں کو برطانیہ نے قابو میں رکھا جو اس علاقے میں روز بروز اپنی طاقت مضبوط کر رہے تھے (دیکھیے نقشہ 2)

نظام کی فوج

1790 میں نظام حیدرآباد کے ذاتی سپاہیوں کی تفصیل

......نظام کے پاس 400 ہاتھیوں کی سواری ہے، کئی ہزار گھوڑ سوار اس کے آس پاس ہیں جو 100 سے زیادہ روپیے تنخواہ اور بہترین سوار کے ساز و سامان اور سجاوٹ سے مرصّع ......

اودھ

شکل 3
برہان الملک سعادت خان

برہان الملک سعادت خان کو 1722 میں اودھ کا صوبے دار مقرر کیا گیا اور اس نے ایک ریاست قائم کی جو مغلیہ سلطنت سے ٹوٹ کر نکلنے والی سب سے اہم ریاستوں میں سے ایک تھی۔ اودھ ایک خوشحال خطہ تھا، جس کا تسلط گنگا کے زرخیز سیلابی مٹی والے میدان پر تھا شمالی ہندوستان اور بنگال کے درمیان تجارتی راستہ بھی اسی کے حلقۂ اختیار میں تھا۔ برہان الملک کے پاس صوبے داری، دیوانی اور فوج داری تینوں محکمے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ صوبہ اودھ کے سیاسی، مالی اور فوجی ہر طرح کے معاملات کو قابو میں رکھنے کا ذمّہ دار تھا۔

?

اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش میں مغل صوبے دار دیوانی محکمے کو کیوں اپنے قابو میں رکھنا ہتے تھے؟

برہان الملک نے اودھ علاقے میں مغل اثرات کو کم کرنے کی کوشش میں مغلوں کے مقرر کردہ عہدیداروں (جاگیرداروں) کی تعداد کو کم کیا۔ اس نے جاگیروں کے سائز کو بھی چھوٹا کیا اور خالی جگہوں پر اپنے معتمد اور وفادار خدمت گزاروں کو مقرر کیا۔ جاگیرداروں کے حسابات کی جانچ پڑتال کی گئی تاکہ دھوکے اور بے ایمانی کو قابو میں کیا جا سکے اور نواب کے دربار کے مقرر کردہ افسروں نے محصولوں کا دوبارہ تخمینہ کیا۔ اس نے بہت سے راجپوت زمین داروں اور روہیلکھنڈ کے زرخیز علاقے کے افغان زمین داروں کو پکڑا۔

ریاست کا انحصار مقامی بینک کاروں اور مہاجنوں کے قرضوں پر تھا۔ یہ سب سے زیادہ بولی لگانے والوں کو محصول وصولی کے حقوق بیچتی تھی۔ یہ ''محصول کی کھیتی کرنے والے'' (جاگیردار) ریاست کو ایک مقررہ رقم دینے کا وعدہ کرتے تھے۔ مقامی مہنڈی والے متعینہ رقم کی ریاست کو ضمانت دیتے تھے۔ جس کے بدلے میں انھیں محصول کے تخمینے اور وصولی میں خاصی چھوٹ دے دی جاتی تھی۔ ان تبدیلیوں نے کچھ نئے سماجی گروہوں، جیسے روپیے ادھار دینے والوں اور بینک کاروں کے لیے ریاست کے محصولی نظام پر اثر انداز ہونے کے مواقع پیدا کردیے۔ یہ صورت اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

© NCERT not to be republished

بنگال

بنگال مرشد قلی خان کی سر کردگی میں رفتہ رفتہ مغل گرفت سے نکل کر آزاد ہوا۔ مرشد کو صوبے کے گورنر کے 'نائب' کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ حالانکہ مرشد قلی خان باقاعدہ صوبے دار کبھی نہیں ہوا۔ لیکن اس نے بہت تیزی سے اس عہدے کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ حیدرآباد اور اودھ کے حکمرانوں کی طرح اس کی مکمل گرفت صوبے کے محصول انتظامیہ پر بھی مضبوط ہوگئی۔ مغل اثرات کو بنگال سے کم کرنے کے لیے اس نے تمام مغل جاگیرداروں کو اڑیسہ منتقل کر دیا اور بنگال کے تمام اہم محصولات کا نئے سرے سے تخمینہ کرنے کا حکم دے دیا۔ زمین داروں سے پوری سختی کے ساتھ نقد محصول جمع کیے جاتے تھے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے زمین داروں کو بینک کاروں اور ادھار دینے والوں سے روپیے قرض لینے پڑتے تھے۔ جو اپنے محصولات ادا نہیں کر پاتے تھے انھیں اپنی زمینوں کو بڑے زمین داروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔

اٹھارھویں صدی میں بنگال میں ایک علاقائی ریاست کے وجود میں آنے سے زمین داروں میں ایک خاصی بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ریاست اور بینک کاروں کے درمیان گہرا رشتہ، جیسا کہ حیدرآباد اور اودھ میں دیکھا جا سکتا تھا، علی وردی خاں کی حکومت کے دوران بھی نظر آیا (حکومت 1740-1756)۔ اس کے دور حکومت میں جگت سیٹھ کا بینک خانہ غیر معمولی طور پر خوش حال ہوا۔

شکل 4
علی وردی خاں دربار سجائے ہوئے

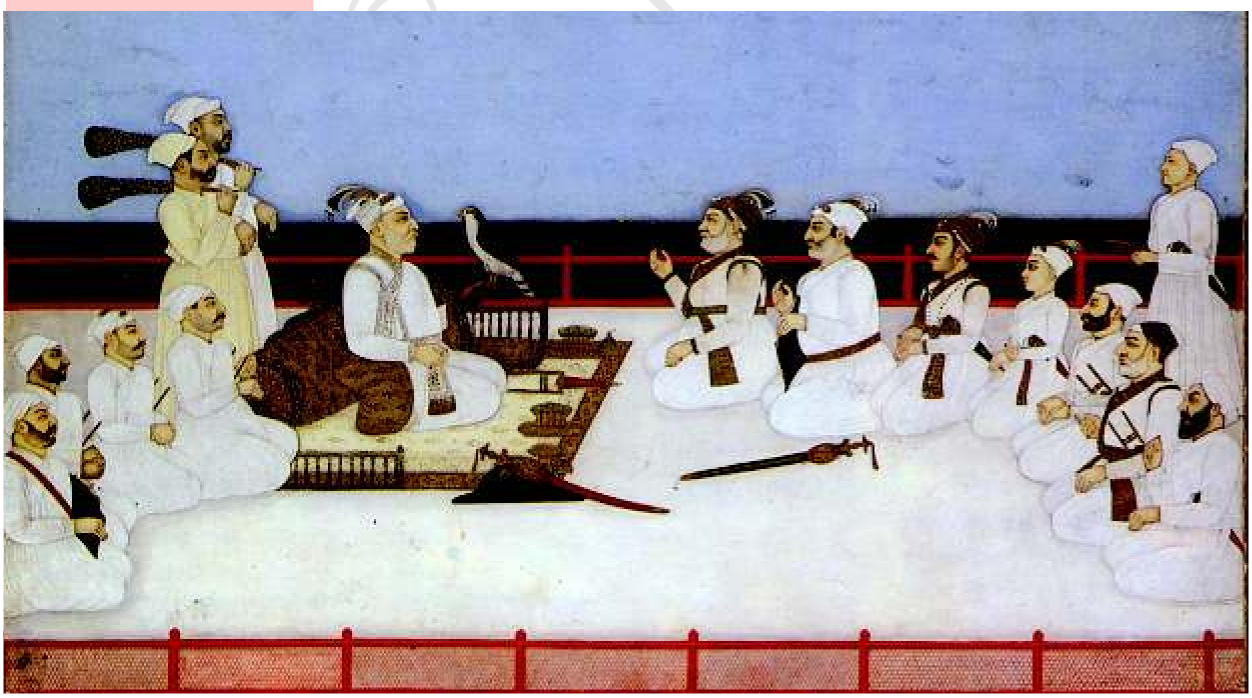

© NCERT not to be republished

اگر ہم ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو ہمیں ان سب ریاستوں میں تین خصوصیتیں خاص طور پر یکساں نظر آئیں گی۔ اول، گو کہ بہت سی بڑی ریاستیں بڑے بڑے مغل امرا کی ہی قائم کی ہوئی تھیں لیکن انھیں جو نظام ورثے میں ملا تھا اس کے کچھ شعبوں کے بارے میں انھیں زبردست شبہات تھے جن میں خصوصی حیثیت جاگیرداری نظام کی تھی۔ دوم، ان کے محصول کی وصولیابی کا طریقہ مختلف تھا۔ ریاست کے افسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے محصول وصولی کے لیے تینوں حکومتوں نے محصول کی کھیتی کرنے والوں، کو ٹھیکے پر حاصل کرلیا۔ اجارہ داری، کا طریقہ جسے مغلوں نے پوری طرح مسترد کردیا تھا، اٹھارھویں صدی میں پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ ریاستوں کے اندرونی اور دیہی حصوں میں اس کا اثر خاصا مختلف تھا۔ تیسری ایسی خصوصیت جس میں تمام ابھرتی ہوئی علاقائی ریاستیں شامل تھیں، وہ ان کا دولت مند بینک کاروں اور تاجروں سے رشتہ قائم ہونا تھا۔ یہ لوگ 'محصول کی کھیتی کرنے والوں' کو روپیے ادھار دیتے تھے اور ضمانت کے طور پر زمین لیتے تھے اور ان زمینوں سے خود اپنے کارندوں کے ذریعے محصول جمع کرتے تھے۔ اس طرح پورے ہندوستان میں سب سے دولت مند تاجر اور بینک کار، نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نظام میں اپنی ایک جگہ بنا رہے تھے۔

راجستھان کی وطن جاگیریں

بہت سے راجپوت بادشاہوں، خصوصاً آمبر اور جودھپور سے تعلق رکھنے والوں نے، مغلوں کے تحت کافی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اس کے عوض انھیں اپنی 'وطن جاگیر' میں کافی حد تک خودمختاری دے دی گئی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں ان حکمرانوں نے اپنے آس پاس کے علاقوں پر تسلط بڑھانے کی کوشش کی۔ جودھپور کا حکمراں اجیت سنگھ مغل دربار کی گروہ بندی کی سیاست میں بھی شامل تھا

یہ بااثر راجپوت خاندان خوش حال گجرات اور مالوہ صوبوں کی صوبے دار تھے۔ جودھپور کے راجا اجیت سنگھ کے پاس گجرات کی صوبے داری اور امبر کے سوائی راجا جے سنگھ کے پاس مالوہ کی گورنری تھی۔ ان عہدوں کی تجدید بادشاہ جہاں دار شاہ نے 1713 میں کردی تھی۔ انھوں نے اپنے وطنوں کے گردونواح میں شاہی سرحدوں میں بھی اپنی سلطنت کے حدود کو پھیلانا چاہا۔ ناگور کو فتح

کر کے جودھپور خاندان نے اپنی حکومت میں شامل کر لیا جب کہ امبر نے بوندی کے بڑے حصوں پر قبضہ کر لیا۔ سوائی راجا جے سنگھ نے اپنی نئی راجدھانی جے پور میں قائم کی اور 1722 میں اسے آگرہ کی صوبے داری دے دی گئی۔ راجستھان کے علاقوں میں 1740 کے بعد سے مراٹھاؤں نے ان سرداری ریاستوں پر زبردست دباؤ ڈالا اور انھیں آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

جے پور کا راجا جے سنگھ

1732 کی ایک فارسی تحریر میں راجا جے سنگھ کے بارے میں بیان:

راجا جے سنگھ اپنی طاقت کے عروج پر تھا۔ یہ 12 برس تک آگرہ کا اور مالوہ کا 5 یا 6 برس تک گورنر رہا تھا۔ اس کے پاس ایک بڑی فوج، توپ خانہ اور بہت سی دولت تھی۔ اس کا تسلط دہلی سے نرمدا کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔

شکل 5
مہران گڑھ قلعہ، جودھپور

آزادی پر گرفت

سکھ

سترھویں صدی میں سکھوں کی تنظیم کے ایک سیاسی فرقے میں تبدیل ہوجانے (دیکھیے باب 8) سے پنجاب میں علاقائی حکومت کے قیام میں مدد ملی۔ گرو گوبند سنگھ نے راجپوت اور مغل حکمرانوں کے خلاف متعدد جنگیں لڑیں۔ 1699 میں با قاعدہ 'خالصہ' ادارے کے قائم ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ 1708 میں اس کی موت کے بعد مغلیہ اقتدار و اختیار کے خلاف 'خالصہ' نے بندہ بہادر کی قیادت میں بغاوت کی اور اپنی خود مختار حکومت کا اعلان، گرو نانک اور گرو گوبند سنگھ کے ناموں کے سکے چلا کر ستلج اور جمنا کے درمیان میں اپنا باقاعدہ نظام قائم کر کے کیا۔ بندہ بہادر کو 1715 میں گرفتار کر کے 1716 میں قتل کر دیا گیا۔

'خالصہ' کیا ہے؟ کیا آپ کو یاد ہے کہ باب 8 میں اس کے بارے میں آپ نے کیا پڑھا تھا؟

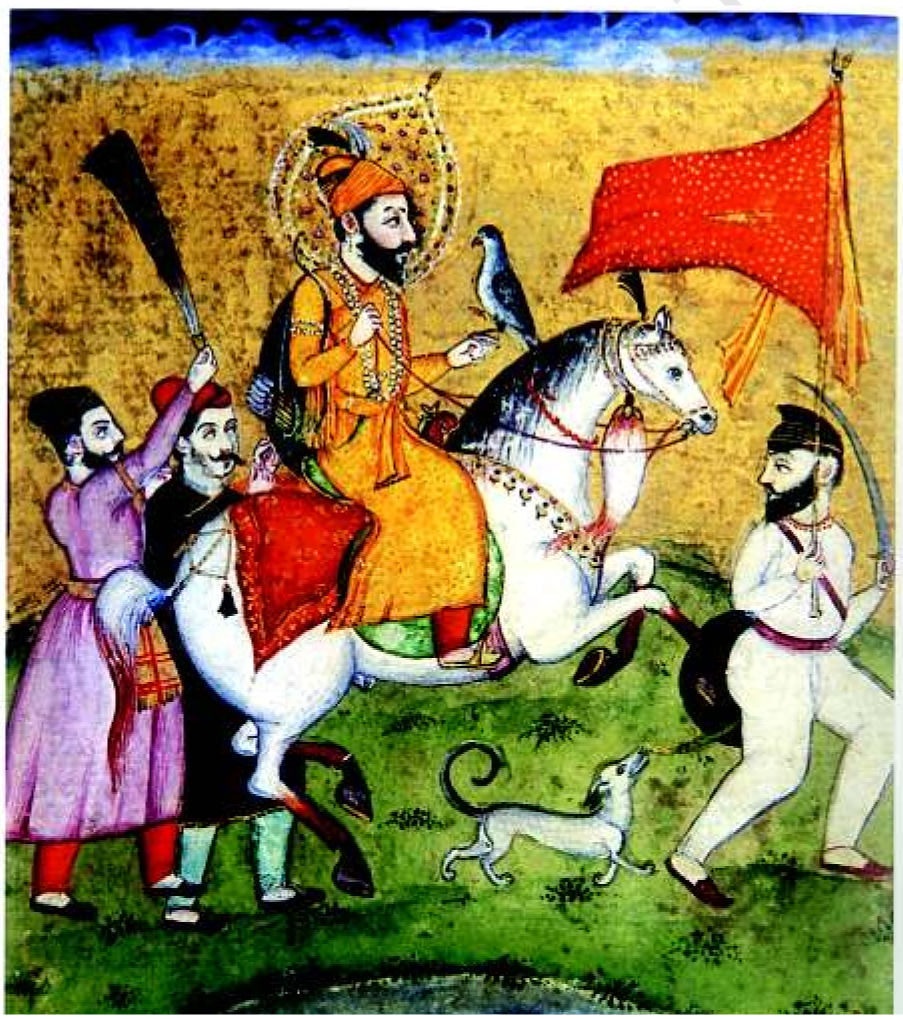

شکل 6
دسویں گرو، گرو گوبند سنگھ

شکل 7
مہاراجا جیت سنگھ کی تلوار

کچھ قابل رہنماؤں کی قیادت میں، سکھوں نے اٹھارھویں صدی کے دوران خود کو بہت سے فوجی ٹولوں کے روپ میں منظّم کیا جنھیں 'جتھا' کہا جاتا تھا اور بعد میں 'مِثل'۔ ان کی ملی جلی فوجی طاقتوں کو عالی شان فوج (دل خالصہ) کہا جاتا تھا۔ یہ تمام گروہ بیساکھی اور ہولی پر امرتسر میں جمع ہوتے تھے اور اجتماعی فیصلے کرتے تھے جنھیں ''گرو کے فیصلے'' 'گورماتا' کہا جاتا تھا۔ ایک نظام 'راکھی' کے نام سے شروع کیا گیا جس کے تحت کسانوں سے ان کی پیداوار کا 20 فیصد حصہ لے کر انھیں تحفظ دیا جاتا تھا۔

گروگوبند سنگھ نے خالصہ میں ایک خاص تصور ابھارا جس کے تحت ان کا عقیدہ ہو گیا کہ ان کی قسمت میں راج کرنا ہی لکھا ہے (راج کرے گا خالصہ)۔ ان کی گٹھی ہوئی تنظیم نے انھیں پہلے مغل گورنروں اور ان کے بعد احمد شاہ ابدالی کے خلاف کامیاب مدافعت کی طاقت دی۔ احمد شاہ ابدالی نے خوش حال پنجاب اور سرکار سرہند مغلوں سے چھین لیا تھا۔ خالصہ نے اپنی خودمختار حکومت کا اعلان ایک بار پھر 1765 میں اپنے سکے ڈھلوا کر کر دیا۔ اہم بات یہ تھی کہ ان سکوں پر بھی وہی تحریر یا کتبہ تھا جو اس سے پہلے خالصہ نے بندہ بہادر کی قیادت میں دیا تھا۔

اٹھارھویں صدی کے آخر تک سکھ سرحدیں سندھ سے جمنا تک پھیلی ہوئی تھیں مگر یہ مختلف حکمرانوں کے درمیان بٹی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک مہاراجا رنجیت سنگھ نے ان گروہوں کو متحد کیا اور 1799 میں اپنی راجدھانی لاہور میں قائم کی۔

مراٹھا

مراٹھا سلطنت ایک اور ایسی مضبوط علاقائی حکومت تھی جو مغلیہ حکمرانی سے ایک طویل اور مستقل فوجی مخالفت کے ساتھ وجود میں آئی۔ شیواجی (1680-1627) نے کچھ اور جنگجو خاندانوں (دیش مکھوں) کے ساتھ مل کر ایک مستحکم بادشاہت قائم کر لی۔ بہت زیادہ گھومنے پھرنے والے کسان۔ گلہ بان گروہوں (کنبوں) نے مراٹھا فوج کی ریڑھ کی ہڈی کا سا کام دیا۔ شیواجی نے ان طاقتوں کو جزیرہ نما میں مغلوں کو چنوتی دینے میں استعمال کیا۔ شیواجی کی موت کے بعد مراٹھا ریاست میں طاقت و اقتدار عملی طور پر ایک برہمن خاندان 'چتپاون' کے ہاتھوں میں رہا جنھوں نے شیواجی کے جانشینوں میں پیشوا (یا خاص وزیر) کی حیثیت سے خدمات انجام دیں تھیں۔ مراٹھا ریاست کی

© NCERT not to be republished

راجدھانی پونا میں قائم کی گئی۔

پیشواؤں کی زیرنگرانی مراٹھوں نے ایک کامیاب فوجی تنظیم کھڑی کی۔ ان کی کامیابی کا راز قلعہ بند مغل فوجوں کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ جانے، شہروں پر حملوں اور مغل فوجوں کو ایسے مقامات پر جنگوں میں الجھانا تھا جہاں ان کی رسد کے راستوں اور فوجی امداد کو آسانی سے منقطع کیا جاسکے۔

1720 اور 1761 کے درمیان مراٹھا سلطنت پھیلی۔ اس نے آہستہ آہستہ مغلیہ اقتدار میں سے اپنا حصہ نکالا۔ مالوہ اور گجرات کو 1720 کے بعد مغلوں سے چھینا گیا۔ 1730 کے بعد سے مراٹھا بادشاہ کو پورے دکنی جزیرہ نما کا سب سے بڑا مالک تسلیم کیا جانے لگا۔ اسے پورے علاقے میں 'چوتھ' اور 'سردیش مکھی' عائد کرنے کا اختیار تھا۔

''چوتھ'' (Chauth) زمینداروں کے حاصل کیے ہوئے محصول کا 25 فیصد حصہ۔ دکن میں اسے جمع کرنے کا اختیار مراٹھوں کو تھا۔

''سردیش مکھی'' (Sardeshmukhi) زمینی محصول کا 10-9 فیصد جو محصول وصول کرنے والوں کے مکھیا کو دکن میں دیا جاتا تھا۔

1737 میں دہلی پر حملے کے بعد مراٹھوں کے تسلط کی سرحدیں تیزی سے پھیلیں۔ شمال میں پنجاب اور راجستھان، مشرق میں بنگال اور اڑیسہ، جنوب میں کرناٹک، تمل اور تلگو ملکوں میں (دیکھیے نقشہ 1)۔ یہ علاقے مراٹھا سلطنت میں باقاعدہ طور پر شامل نہیں کیے گئے تھے لیکن مراٹھا سلطنت کی حکمرانی قبول کرتے ہوئے انھیں خراج دینا تھا۔ یہ توسیع اپنے ساتھ بہت سے ذرائع لائی مگر اس کی قیمت بھی چکانی پڑی۔ ان فوجی مہموں نے بہت سے حکمرانوں کو مراٹھوں کا دشمن بنادیا۔ جس کے نتیجے میں یہ 1761 میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مراٹھوں کی مدد کی طرف راغب نہیں ہوئے۔

طویل فوجی مہموں کے ساتھ ساتھ مراٹھوں نے ایک اچھا بااثر انتظامیہ نظام بھی پیدا کیا۔ ایک بار جب فتوحات کا سلسلہ پورا ہوگیا اور مراٹھا سلطنت محفوظ ہوگئی تو محصولوں کا سلسلہ مقامی کیفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع کیا گیا۔ زراعت کی ہمت افزائی کی گئی اور تجارت کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اس سے مراٹھا سرداروں، جیسے گوالیار کے سندھیا، بڑودا کے گیکواڑ اور ناگپور کے بھونسلے خاندانوں کو ان نئے ذرائع کی بنیاد پر طاقت ور فوجیں رکھنے کا موقع ملا۔ 1720 کے دہے سے مالوہ میں مراٹھوں کی فوجی مہموں نے اس علاقے کے شہروں کی ترقی اور خوش حالی کو کوئی یا چنوتی نہیں دی۔ اجین سندھیاؤں اور اندور ہولکروں کی سرپرستی میں وسعت اور ترقی کرتے ہے۔ ہر حیثیت سے یہ شہر تجارتی، ثقافتی نیز تہذیبی مراکز رہے۔ مراٹھوں کے زیر تسلط علاقوں میں نئے تجارتی راستے بنے۔

© NCERT not to be republished

چندیری خطے میں پیدا ہونے والے ریشم کو اب پونا میں جو مراٹھوں کی راجدھانی تھا، ایک نئی نکاس مل گئی برہان پور جو اس سے پہلے آگرہ اور سورت کے درمیان تجارت میں شریک تھا اب اس نے اپنے اندرونی علاقوں کو جنوب میں پونا اور ناگپور، اور مشرق میں لکھنؤ اور الہ آباد کی تجارت کے لیے کھول دیا۔

جاٹ

دوسری ریاستوں کی طرح جاٹوں نے بھی اپنی حیثیت کو سترھویں صدی کے آخر اور اٹھارھویں صدی میں مضبوط کیا۔ اپنے قائد چورامان کے ماتحت انھوں نے دہلی شہر کے مغرب کی طرف واقع علاقوں میں تسلط حاصل کرنا شروع کیا اور 1680 کے بعد سے انھوں نے دو شاہی شہروں، دہلی اور آگرہ کے درمیان علاقوں پر بالادستی قائم کرنی شروع کر دی تھی۔ ایک عرصے کے لیے تو یہ آگرہ شہر کے حقیقی محافظ (کسٹوڈین) کی حیثیت میں رہے۔

جاٹ خوش حال قسم کے زراعت پیشہ لوگ تھے اور ان کے زیر تسلط علاقوں میں پانی پت اور بلب گڑھ اہم تجارتی مرکز بن گئے۔ سورج مل کے تحت بھرت پور کی ریاست ایک مضبوط ریاست بن کر ابھری۔ جب نادر شاہ نے 1739 میں دہلی کو لوٹا، تو شہر کے بہت سے معزز لوگوں نے بھرت پور میں ہی پناہ لی۔ اس کے بیٹے جواہر شاہ کے پاس 30,000 اپنے سپاہی تھے اور مغلوں سے جنگ

شکل 8
اٹھارھویں صدی کا محل کا علاقہ۔ ڈیگ۔ دربار عام کی عمارت کی چھت پر 'بنگلا ڈوم' خاص طور پر دیکھیے۔

کرنے کے لیےاس نے 20,000 مراٹھا اور 15,000 سپاہی اور کرایے پر حاصل کر لیے تھے۔

اگر چہ بھرت پور کا قلعہ بہت حد تک روایتی انداز میں ہی بنایا گیا تھا لیکن، ڈیگ میں جاٹوں نے ایک باقاعدہ اور مکمل باغ محل بنوایا جس میں امبر اور آگرہ کے طرز تعمیر کو جمع کر دیا گیا۔اس کی عمارتوں کو اس طرز تعمیر پر بنایا گیا تھا جنھیں سب سے پہلے شاہ جہاں کے امرا سے منسوب کیا جاتا تھا۔ (دیکھیے شکل 12، باب 5 میں اور شکل 12 باب 9 میں)

کہیں اور

فرانسیسی انقلاب (1789-1794)

ہندوستان میں اٹھارھویں صدی میں موجود مختلف ریاستی نظاموں میں عام لوگوں کو ان کی حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔مغربی دنیا میں یہی صورت حال اٹھارھویں صدی کے آخر تک تھی۔امریکن (1776-1781) اور فرانسیسی انقلابوں نے امرا اور اشرافیہ کو حاصل سماجی اور سیاسی برتریوں کو چنوتی دی۔

فرانسیسی انقلاب کے دوران، متوسط طبقے، کسان اور دستکار قسم کے لوگ کلیسا کے پادریوں (کلرجی) اور اشرافیہ کو حاصل مخصوص اور امتیازی حقوق کے خلاف لڑے۔ان کا کہنا تھا کہ پیدائش کی بنیاد کسی گروپ کو سماج میں کوئی خاص حق حاصل نہیں ہونا چاہیے۔اس کے مقابلے میں کسی شخص کی سماجی حیثیت کو اس کے اپنے کاموں اور صلاحیتوں پر منحصر ہونا چاہیے۔فرانسیسی انقلاب کے فلسفیوں نے وکالت کی کہ سب لوگوں کے لیے مساوی قانون اور مواقع ہونے چاہئیں۔ان کا ماننا یہ بھی تھا کہ حکومت کو اختیار لوگوں کی طرف سے ملنا چاہیے جن کے پاس حکومت کے معاملات میں شامل رہنے کا حق لازمی ہونا چاہیے۔فرانسیسی اور امریکی انقلاب جیسی تحریکوں نے ہی رفتہ رفتہ رعیت کو شہریت کا درجہ عطا کیا۔

شہریت، قومی ریاست اور جمہوری حقوق جیسے تصورات کی جڑیں ہندوستان میں انیسویں صدی کے آخر سے جمنی شروع ہوئیں۔

not to be

ذرا تصور کیجیے

آپ اٹھارھویں صدی کی ایک بادشاہت کے حکمراں ہیں۔بتائیے کہ آپ اپنی حیثیت کو اپنے صوبے میں مضبوط کرنے کے لیے کیا کریں گے اور آپ کو کیسی مخالفتوں یا مسئلوں کا اس سلسلے میں مقابلہ کرنا ہوگا؟

ذرا یاد کریں

1۔ درج ذیل کو ملایئے

صوبے دار	ایک محصول کی کھیتی کرنے والا
فوج دار	ایک اعلا امیر
اجارہ دار	صوبے کا گورنر
مثل	مراٹھا کسان جنگجو
چوتھ	ایک مغل فوجی کماں دار (کمانڈر)
کنبی	سکھ جنگجوؤں کا رسالہ (گروہ)
امرا	مراٹھوں کا عائد کیا ہوا محصول

2۔ خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(a) اورنگ زیب نے ایک طویل جنگ............ میں لڑی۔

(b) امرا اور جاگیردار مغل............ کے مضبوط حصے تھے۔

(c) آصف جاہ کو دکن کی صوبے داری............ میں سونپی گئی۔

(d) اودھ نوابی کا قائم کرنے والا............ تھا۔

3۔ بتایئے، صحیح ہے یا غلط:

(a) نادر شاہ نے بنگال پر حملہ کیا۔

(b) سوائی جے سنگھ اندور کا حکمراں تھا۔

(c) گرو گوبند سنگھ سکھوں کے دسویں گرو تھے۔

(d) پونا اٹھارھویں صدی میں مراٹھوں کی راجدھانی بنا۔

4۔ سعادت خان کے پاس کون کون سے محکمے تھے؟

کلیدی الفاظ

صوبے داری

دل خالصہ

مثل

فوج داری

اجارہ داری

چوتھ

سردیش مکھی

© NCERT not to be republished

آیئے مباحثہ کریں

5۔ اودھ اور بنگال کے نواب زمین داری نظام کو کیوں ختم کرنا چاہتے تھے؟

6۔ اٹھارھویں صدی میں سکھ کیسے منظّم ہوئے؟

7۔ مراٹھا دکن سے آگے کیوں پھیلنا چاہتے تھے؟

8۔ اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لیے آصف جاہ کی کیا پالیسیاں تھیں؟

9۔ آپ کے خیال میں کیا تاجروں اور بینک کاروں کا آج بھی اسی طرح کا اثر ہے جیسا اٹھارہویں صدی میں تھا؟

10۔ کیا جن بادشاہتوں کا اس باب میں ذکر آیا ان میں سے کوئی آپ کی موجودہ ریاست میں ابھری تھی۔ اگر تھی تو آپ کے خیال میں ریاست میں اٹھارھویں صدی کی عام زندگی آج کی اکیسویں صدی کی زندگی سے کن کن طریقوں میں مختلف رہی ہوگی۔

آیئے کچھ کریں:

11۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نئے دربار سے منسوب طرزِ تعمیر اور تہذیب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔ اودھ، بنگال، حیدرآباد

12۔ مندرجہ ذیل عوامی گروپوں میں سے کسی ایک حکمراں کے بارے میں مشہور کہانیاں جمع کیجیے: راجپوت، جاٹ، سکھ اور مراٹھا۔